

مدیر اعلیٰ

فکر و نظر

## روزہ

## پرہیز اور پرہیزگاری



تمکلیں کے ہاں اس مسئلہ پر کافی بحثیں رہی ہیں کہ، گناہ اور معصیت کا ترکیب مومن پر متا ہے یا نہ؟ ائمہ اہل السنۃ والجماعت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ مومن ہی رہتا ہے۔

دراصل یہ خالص علمی، کلامی اور فلسفیانہ بحثیں تھیں اور ایک خاص پس منظر میں اٹھیں اور چلتی نہیں۔ معتزلہ اور خوارج وغیرہ۔ ان بحثوں سے مطمئن ہوتے یا نہ؟ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ، اس سے مسلمانوں کے اعمال، کردار اور انکار پر غلط اثرات ضرور نمایاں اور مرتب ہوئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

ایک شخص چوری کرتا ہے، اسے یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ میرے ایمان پر بن جائے گی۔

کوئی جھوٹ بولتا ہے اس کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ: میرا ایمان میری جان کو روٹے گا۔

ملک اور قوم یا کسی فرد سے اگر کسی نے کوئی ذریعہ کیا ہے تو وہ مطمئن ہوتا ہے کہ: اتنی سی بات سے بہر حال وہ کافر نہیں ہو گیا۔

کسی پر ظلم کیا یا اس کا حق مارا ہے تو وہ اپنے ضمیر کو مختلف جیلوں اور بہانوں سے دلاسے دے دے کہ اس کی غلش سے نجات پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مسجد میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اگر وہ کسی نمازی کا جو تاپہ چرائیتا ہے یا اس کی گھڑی وغیرہ غائب کر لیتا ہے تو اس کو اپنی نماز کے ضیاع کا خوف نہیں ہوتا۔

سچ پر جا کر اگر بھارت یا اسرائیل کی طرف سے برادر مسلم ممالک کی جاسوسی کا خانہ ساز فریضہ انجام دیتا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے دل پر بوجھ نہیں آتا۔

بھنگت، چرس، ایفون جیسی ہلک چیزیں اگر پی لیتا ہے تو ان کے انجام بد سے بھی سبکیں بند لیتا ہے۔

شراب و کباب کا اگر کوئی دور چلا ہے تو سمجھتے ہیں کہ سب خیر ہے۔ صرف یہ نہیں کہ ایمان کا کچھ نہیں بگڑا بلکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کی امامت اور قیادت کی اسٹیننی حیثیت میں بھی کچھ فرق نہیں آیا۔

سوشلزم یا امپریلیزم سے اگر ان کو کوئی ٹٹے جوڑنے کا خیال آیا ہے تو ایمان سے پوچھنے کی انھوں نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

بھی انراض، وہ اقتدار ہو یا کوئی کاروبار، ان کا راہ میں اگر کوئی بے راہ ہو جاتا ہے تو ان کو یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ اللہ اور اس کا رسول ناراض ہو جائے گا۔

زکوٰۃ دینے والا چونکہ زکوٰۃ بھی دے رہا ہے، اس سے اسے اس امر کی فکر نہیں ہوتی کہ یہ کتنا فی رشوت کی ہے یا جھوٹی تجارت کی ہے۔

روزہ رکھتا ہے تو اب اس سے جھوٹ بول ہو جائے یا کوئی ناجائز دھندا، کسی کا لگہ ہو جائے یا بے جا زیادتی، وہ سمجھتا ہے کہ اتنی سی بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سب خیر ہے۔

اقتدار ہاتھ لگا ہے یا کوئی معیاری انسٹری، اب اگر وہ خدا بن کر خلق خدا کا استحصال کرتا ہے تو اس کی بلا سے، وہ سمجھتا ہے کہ بڑے خدا کے ہوتے ہوئے، ہمارے چھوٹے موٹے خدا بن جانے سے خدا کا کیا بگڑتا ہے اور ایمان کا کیا جاتا ہے؟

مصیبت کے از نکاب سے گرا ایک مسلم کافر نہیں ہو جاتا لیکن یہ بھی ایک طے شدہ بات ہے کہ جس طرح صغیرہ گناہ، بار بار کرنے سے صغیرہ نہیں رہتا، اسی طرح کبیرہ گناہ بھی بہ اصرار اور یہ تکرار کرنے سے "کبیرہ" نہیں رہتا بلکہ یہ ایک ایسی بلا بن جاتا ہے جس سے کفریات کی راہ ہموار ہوتی ہے، کفر سے وحشت گھٹ جاتی ہے اور انسان کے مومنانہ خاکہ کا مستقبل خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے صرف اس فارمولے پر نہ چھولے رہیں کہ گناہ، گناہ ہوتا ہے۔ کفر نہیں ہو جاتا۔ کفر نہیں ہوتا تو کفر سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں رہ جاتا۔

الغرض حسنت کے ساتھ سیئات، نیکی کے ساتھ بدی، خیر کے ساتھ شر، بعدیت کے ساتھ طغیان، غلامی کے ساتھ کبرستی، ادرحق کے ساتھ باطل کی آمیزش، مفاہمت، ٹانگے اور برداشت کی سکت وہ خطرناک بدرہیزی ہے جس نے روحانی دھاؤں کو نہ صرف بے اثر کر کے امراض میں عفونت پیدا کر دی ہے بلکہ حسنت اور دینی مکارم حیات کی ناکامی کا بلا جو از دھندہ درابھی پٹیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس جاہلیت اور بھدی ذہنیت کا یوں ذکر کیا ہے، قوم شعیب کے ذکر

میں فرمایا:

قَالُوا لَيْشَيْبُ أَمْوَالُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَسْتُرَكَ مَا يَعْنِيكَ أِبَائُكَ أَوْ أَدَاؤُكَ  
تَفْعَلُ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَسْتَأْذِنُكَ بِهِ (ہود ع)

وہ کہنے لگے کہ: اے شیب! کیا تمہاری نمانتم سے تقاضا کرتی ہے کہ جن کو ہمارے آباء و اجداد  
پر جتے آئے ہم ان کو چھوڑ بیٹھیں یا اپنے مالوں میں جن طرح (کا تصرف کرنا) چاہیں نہ کریں؟

اصل میں وہ اس خیال میں گمن تھے کہ نمازیں بھی پڑھیں اور اپنی مرضی کے کام بھی کریں کھلی  
چھٹی ہے۔ اس لیے انھیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ: نماز خدا کی سچی غلامی کا مظہر ہے، اس کا تقاضا  
ہے کہ: زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اس کی مرضی کو ملحوظ رکھیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔  
کچھ لوگ بعض سماجی خدمات اور کچھ دوسرے نیکی کے کام کر کے سمجھ لیتے تھے کہ بس میدان مار  
لیا، اس لیے جو جو حقائق کرتے ان کی وجہ سے ان کو تشویش نہیں ہوتی تھی۔ اس پر حق تعالیٰ  
نے فرمایا:

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَا يُكْفِيكُمْ عِندَ اللَّهِ (ربط - توبہ ع)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور (ادب و حرمت والی مسجد) خانہ کعبہ کے  
آباد رکھنے کو اس شخص (کی خدمات) جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ  
میں جہاد کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ (سب) برابر نہیں۔

مطلب یہ کہ تمہاری یہ خدمات تمہاری دوسری حماقتوں کا عوض نہیں ہو سکتیں، اور تمہاری حماقت  
کے لیے یہ کافی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ کارِ خیر، کارِ بد کی آمیزش سے پاک نہیں ہیں۔  
ایک اور مقام پر ان کی اس خوش فہمی کا بھی ذکر کیا ہے کہ کارِ بد کر کے یہ ڈھینگیں بھی مارتے  
تھے کہ: ہمارے یہ گناہ معاف ہو رہی جائیں گے۔ ملاحظہ ہو پارہ ۹ - اعراف ع

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرَوُّوا الْمِكْتَبَ يَأْخُذُونَ عَرَفَ هَذَا الْأَوْفَى  
وَيَسْعَوْنَ سَبْعُونَ لَنَا

”پھر ان کے بعد ایسے ناعلف (ان کے) جانشین ہوئے کہ وہ کتاب کے وارث بنے رگ  
بطور شرت، اس دنیائے دوزخ کی (کوئی) چیز (ملے تو) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گناہ تو  
ہمارا معاف ہو ہی جائے گا۔“

یہ خوش فہمی اس لیے پیدا ہو گئی تھی کہ، ان کے نزدیک نیکی کے ساتھ بدی کوئی گنہ نہیں پہنچاتی۔ کیونکہ وہ معاف ہو رہی جاتی ہے۔ بہر حال حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (پ - بقوۃ ش)

”حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو“

دینی احکام پر عمل کرنے کے باوجود نیکی رنگ نہیں لارہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی بے داغ نہیں رہتی، دودھ کے شے میں گندگی تھوڑی سی بھی دودھ کو ناکارہ کر دیتی ہے۔ پھر یہ نیکیاں کیسے رنگ لائیں، جب ان کے ہمراہ بدی کی فرمائروائی بھی جاری رہے۔ یہ بد پرہیزی روحانی علاج کے راستہ میں حائل ہو رہی ہے، دنیا میں ایسا کوئی بیمار نہیں ہوتا جس کے لیے ڈاکٹر من سب پرہیز کی سفارش نہ کریں۔ ایسا بھی کوئی مریض دیکھنے میں نہیں آیا جس کو بد پرہیزی نے کوئی نقصان نہ پہنچایا ہو بالکل ہی کیفیت اسلامی اعمال کی ہے کہ: مسلمان نماز روزہ اور زکوٰۃ و عود و وظائف اور دوسرے کاریگر کے ممکن ثمرات اور نتائج حنہ سے بھگنا رہ نہیں ہو رہا، کیونکہ ان نیکیوں کے ساتھ ساتھ بدیوں سے بھی اس کے ناطے خالص استوار ہیں، بلکہ برائیوں کے سلسلے میں جس انہماک، شغف و اڑھٹکی، واہمیت اور غلو سے کا نڈرا نڈا دینی اعمال اور امور کے بارے میں اس نے پیش کیا ہے۔ اس کے ہزاروں حصے کا بھی یہاں سراخ اور اتہ پتہ نہیں ملتا۔ ان حالات میں متعلقہ برکات، نفاذ اور دھتوں کا ظہور ہوتا کیسے، بہر حال دوائی کھانا شکل نہیں۔ جس قدر اس سلسلے کا پرہیز مزہ آ رہا ہوتا ہے۔ اسلام کی نگاہ سے انسان کی یہ کمزوری پوشیدہ نہیں تھی اور نہ ہی اسلام اس کو نظر انداز کر کے اپنے تشخیص کردہ طرز حیات سے مطلوب مومن کی کشید کے لیے ابن آدم کو مکلف بنا سکتا تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے پرہیز کے لیے ایک خاص کورس تجویز فرمایا۔ اگر ایک انسان صدق دل سے اس کورس کی تکمیل کر لیتا ہے تو یقین کیجئے! اس سے ابن آدم میں اتنی سکت پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر وہ بد پرہیزی سے بچنا چاہے تو اس کے لیے ایسا کرنا نہ صرف آسان ہو گا بلکہ اس سے اس کو ایک گونہ سکون بھی نصیب ہو گا۔

پرہیز کے لیے وہ خاص کورس ”موم رمضان“ ہے۔ عربی میں موم کے لغوی معنی: کسی کام سے رک جانے اور اس سے باز رہنے کے ہیں۔ اہم راغب کہتے ہیں:

المصوم في الاصل الامساك عن الفعل (مفردات)

شرع میں اس کے معنی صیام، شام تک کھانے پینے، جنسی وظائف اور نامناسب کاموں

سے رک جانے کے ہیں۔

وَرَفِي الشَّرْعِ مَالِكُ الْمَكْلَفِ بِالنِّيَّةِ عَنِ تَنَاوُلِ الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرُوبِ وَالِاسْتِمْسَاءِ  
وَالِاسْتِقَابَةِ الْفِجْوَالِ الْمَغْرُوبِ (مفردات)

حضور کا ارشاد ہے:

مَنْ كَفَّ يَدَيْهِ فَعَلَّ الشُّرُورَ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَبْدَعَ  
طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (رواۃ البیہاری عن ابی ہریرۃ)

دُود سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حق سے مختلف ہو جھوٹ، باطل اور بے سود بات، سب کو  
زور کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے جو شخص حق کا حامل ہے، باطل سے اس کے پار نہ، اس کے لیے سخت  
قہر ہے، ایسے شخص کی ساری کمائی ضائع ہو جاتی ہے۔ سخت رائیگاں جاتی ہے اور اس کے مستقبل  
کو مزید بوجھل بنا کر رکھ دیتی ہے۔

لغت اور حدیث کی ان تعریحات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے  
’بد پرہیزی‘ جیسی ٹوٹے بدمسے ناطے توڑنے کے لیے ایک اسلامی کورس ہے۔

اس پرہیزی کے تین درجے مقرر کیے گئے ہیں۔ امام محمد بن عثمان بنی رحمۃ اللہ علیہ نے میں العلم  
میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ادنی درجہ اور کم از کم مرتبہ پرہیزی کا یہ ہے کہ (دن بھر) وہ کھاتے پیتے اور جنسی عمل سے  
باز رہے۔

وَادْنَى دَتْبَتِهِ الْكُفَّ عَنِ الشَّهَوَاتِ وَهُوَ مَنَاطُ الْجَوَازِ ۱۲۵

دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو گناہوں سے باز رکھے۔

ثُمَّ كَفَّ الْجَوَارِحَ عَنِ الْأَشْمِ وَهُوَ مَنَاطُ الْقَبُولِ ۱۲۶

سب سے اعلیٰ اور اونچا مرتبہ یہ ہے کہ انسان نفس کو مابوسی اللہ (کا فلاحی) سے بھی  
روک دے اور باز رکھے اور بالکل امید و بیم کے عالم میں رہے۔

ثُمَّ كَفَّ النَّفْسَ عَمَّا سِوَاةِ تَعَالَى ..... وَحَقْمَانَ نِيحَافِ الرَّدْوِ وَجِوَالِ الْقَبُولِ

(عین العلم ص ۱۲۵-۱۲۶)

روزے کا یہ وہ اونچا مقام ہے کہ جو خوش قسمت صلحاء اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں،  
ان کے روزہ رکھنے اور چھوڑنے کے انداز بھی بدل جاتے ہیں، وہ اب اگر ’مابوسی اللہ‘ پر توجہ مرکوز

اور اس میں دلچسپی کا ارتکاب کرے گا تو وہ اسے اپنے حق میں یہ تصور کرے گا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ عین العلم کے مندرجہ بالا مقام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
 توضیحاً ان یصوم قلبہ... عن الہم الانیئۃ والافکار والدنیویۃ ویکف  
 عن سوی اللہ تعالیٰ بالکلۃ ویحصل الفطر فی ہذا المصرم بالعدک فی غیر صفات اللہ  
 تعالیٰ وایاتہ وصورہاتہ والیوم الآخر ومقاماتہ وبالفکر فی الاموال دنیا وشہواتہ  
 ولہواتہ الادنیات ترا دل الدین ضروریاتہ فان ذلک زاد الاخذۃ ومقدماتہ حتی  
 قال ادیاب القلوب من تحرکت ہمنہ بالتصوف فی فہارہ بتدبیر ما یستعمل فی  
 افطار کتب علیہ خطیئہ من اذارہ فان ذلک من تلذذ الوثوق بفضل اللہ وکرمہ  
 وقلۃ الیقین بذنوبہ ووعداہ (شرح عین العلم للملا علی قاری)

گو بہت بڑا اونچا مقام ہے، جس پر صرف علمی امت اور انبیاء علیہم السلام ہی  
 پورے اتر سکتے ہیں۔ تاہم یہ بھی پرہیز کی ایک اونچی سطح ہے جو شخص اتنی اونچی پرواز کی سکت  
 اور توفیق پاتا ہے اس کو اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

حدیث میں آیا ہے:

فَاِنَّهُ فِي وَاَنَا اَجْنُوِي بِہ (یعنادی و ملسو عن ابی ہریرۃ)

”کیونکہ وہ (روزہ) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔“

”میرے لیے ہے“ کے جملے میں یہی ”سرا اور راز“ پوشیدہ ہے کہ اس نے محض خدا ہی کو، خدا یا نبی  
 اور رضا کے لیے ”ما سوی اللہ“ کی ہر اس چیز سے ایک حد تک ناپے توڑ لیے جو کسی بھی درجہ میں  
 ”سیرا الی اللہ“ جیسے پاکیزہ سفر کو بوجھل بنا سکتی ہے۔ ظاہر ہے یہ اس پرہیز کی وہ معراج بری ہے  
 جس پر انسان فائز ہو کر ملائکہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جہاں روزے دار نے محض  
 میرے لیے ان تمام ”عجایبات“ کو پھاڑ ڈالا تھا، جو میرے راستہ میں حائل ہو سکتے تھے تو اب میں ان  
 کو بلا واسطہ کیوں نہ نواؤں؟

تو ان حکیم نے بھی ماہ رمضان کے روزے کی غایت یہی پرہیز بتائی ہے۔

یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبکم

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (پہا - بقراءۃ ۳)

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے تھے تم پر بھی فرض کر دیے گئے

ہیں تاکہ تم پرمیز گاری کرو۔

شاہ جہانقا در محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں۔  
یعنی روزے سے سلیقہ آ جاوے گی روکنے کا تو ہر جگہ روک سکو۔  
رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پرمیز اور رکھنے کے کچھ نمونے بھی ذکر فرمائے  
ہیں جن میں تقریباً تقریباً اصولی باتیں سید آجاتی ہیں۔

سب سے پہلے آپ نے روزے کی ماہیت اور حقیقت بیان فرمائی کہ:  
روزہ صرف کھانے پینے سے باز رہنے کا نام نہیں بلکہ صحیح روزہ لغو اور رفت ہے رکھنے  
کا نام ہے

لیس الصیام من الاکل والشرب انما الصیام عن البغو والرفث (مواد الطمان) ۲۲۵  
لغو سے مراد: ہر وہ بات ہے جو دینی مال کے اعتبار سے بے فائدہ اور لاعا صل ہو۔  
رفت سے مراد: بازاری گفتگو اور بات چیت ہے۔

فرمایا: جس دن تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو اسے بازاری گفتگو کلام اور چلانے اور شوق  
سے پرمیز بچنا چاہیے، اگر کوئی شخص تم سے گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے تو تم جو اب میں  
مرف آنا کہو کہ: بھئی! میں روزے سے ہوں! حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اذ کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد اذ قاتله  
فلیقل انی امرؤ صائم (بخاری ص ۲۵)

معلم شریف میں ولا یصخب کے بجائے ولا یجھل بھی آیا ہے، یعنی جہالت نہ کرے، جہل سے  
مراد ایسی حرکت ہے جو نیچیدگی، آدمیت، ہوش اور ناسب رویے کے خلاف ہو۔  
اذ اصبح احدکم یوما صائماً فلا یرفث ولا یجھل الحدیث (مسلم ص ۳۲۳)  
اہم نو دی فرماتے ہیں:

والجھل قویب من الرفث وهو خلاف الحکمة دخلاف الصواب من القول  
والفعل (شرح مسلم ص ۳۲۳)

آپ نے فرمایا: روزہ اس وقت تک ڈھال کا کام دیتا ہے جب تک کوئی اس کی دھیلا  
نہ لکھے۔ دے۔ یعنی گلہ اور جھوٹ نہ لکے۔

الصیام حجة ما لو یخرقها ردواہ النساء (۲۵۳) قال الدادمی: یعنی بالفنیة (دادمی) ۲۵۳

در رواۃ الطہرانی فی الاوسط من حدیث ابی ہریرۃ و زاد: قیل وجہ یخو قہا قال  
بکذب او بغیبۃ (التغیب والتہیب للبندری ص ۲۱۹ طبع ہند)

دو خواتین روزہ رکھ کر مرنے والی ہو گئیں۔ حضور کو بتایا گیا تو آپ نے ان کو بلوایا بھیجا اور ایک ایک سے فرمایا کہ تے کرے، چنانچہ ان کی تے میں پیپ، خون، گوشت اور خون ملی ہوئی پیپ نکلی، آپ نے فرمایا: انہوں نے حلال چیز سے روزہ رکھ لیا تھا مگر حرام چیز سے کھول لیا تھا یعنی لوگوں کے گلے کیے تھے۔ فقہات قبیح و دہر و صدید و لحم عبیط وغیرہ حتی ملائکۃ القدر حتم قال ان ہاتین صامتا عما احل اللہ لہما و افطر تا علی ما حرم اللہ علیہما جلست احدیہما الی الاخری فجعلتا تا کلان من لحم الناس رواۃ احمد، التغیب و التہیب ص ۲۱۹

الغرض: ماہ رمضان کے روزے سے جہاں اور بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں وہاں اصولی طور پر ان سے غرض مناسب پرہیز کی سکت پیدا کرنا ہے تاکہ انسان کتاب و سنت کے احکام اور شرائع کو اختیار کر کے بوجہ بد پرہیزی جیتی ہوئی بازی باز نہ دے۔ کیونکہ بد پرہیزی کی موجودگی میں دوا کام نہیں دیتی۔ بسا اوقات اس کو تاہی کی وجہ سے مرض اور خطرناک لائنوں پر پڑ جاتا اور قوت بخش اور پاکیزہ غذا گندگی کے چند پھینٹوں کی وجہ سے نہ صرف بیکار ہو جاتی ہے بعض اوقات متعفن بھی ہو جاتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ کتاب و سنت کے اعمال اور مسنون طرز حیات رنگ لائیں اور یہ اکسیریں مٹی کی حقیر ڈھیری بن کر حسرت و حرام کی موجب نہ بنیں تو پھر ضروری ہے کہ آپ بد پرہیزی ترک کر دیں، نیکی کے ساتھ بدی کا ارتکاب نہ کریں۔ ماہ رمضان کے روزے اس جوہر کی تخلیق کے لیے اپنی خدمات آپ کو پیش کرنے لگے ہیں، اس کو غنیمت تصور کریں۔ مگر کتنا باز رہنا اور پرہیز کرنا "روزے کی سوغات ہیں، اس میدان میں راسخ ہو کر نکلیں، ماسوی اللہ کے غلط چوکوں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ کر لیں۔

انسان کو جو چیز بدی کی طرف زیادہ مائل کرتی ہے۔ وہ نفس امارہ کا فتنہ ہے۔ مگر یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بھوک و پیاس اور قدم قدم پر اس کو گام دینے سے، اس کی مزاحمت کم ہو جاتی ہے، زور گھٹ جاتا ہے، سرکشی میں فرق پڑ جاتا ہے اس لیے اب اگر انسان کامیاب پرہیز کی توفیق سے ہم کنار ہو جائے تو روزوں کا دامن تمام لے۔

اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔